کتاب الاغانی کے مآخذ

ڈاکٹر فواد سیزگین
ترجمہ: ڈاکٹر خورشید رضوی

میں ایک ایسی کتاب پر بات کرنا چاہتا ہوں جو یقیناً آپ کی جانی پہچانی ہے۔ یعنی ابوالفرج الاصفہانی --- (زمانہ ۲۸۴ تا ۳۸۴ ہجری) --- کی کتاب الاغانی ۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے یہ کتاب ہم تک پہنچنے والے عرب ورثے کی اہم ترین دستاویزات میں شمار ہوتی ہے۔ بہت ضخیم کتاب ہے جس کا تازہ ترین ایڈیشن ۲۴ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اصفہانی نے یہ چاہا کہ ایک کتاب ترتیب دے جس میں گائی جانے والی مشہور چیزیں ہوں اور ان کی مناسبت سے اشعار کا ایک انتخاب، انوکھے واقعات، نیز شعراء، ادباء اور گلوکاروں کے واقعات بھی شامل ہوں۔ مولف کے اپنے بیان کے مطابق اسے اس کی تالیف میں پچاس سال صرف کرنے پڑے۔

اس کتاب سے میرا تعلق بہت پرانا ہے۔ کیونکہ میں بیس برس کا تھا کہ اپنے مستشرق استاد ہلموٹ ریٹر (Hellmut Ritter) سے اس کا کچھ حصہ پڑھا کرتا تھا۔ متصل اسنادوں کے ساتھ لمبی لمبی روایات نے میری توجہ اپنی طرف منعطف کی۔ میں نے اپنے استاد سے اس کا سبب دریافت کیا تو ان کا جواب یہ تھا کہ مسلمان علماء کا حافظہ بڑا عجیب تھا۔ وہ لمبی لمبی روایات اور پوری پوری کتابیں یا ان کے کچھ حصے زبانی یاد رکھ سکتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ میں نے کتاب الاغانی کے مآخذ کے بارے میں متعدد تحقیقات کا مطالعہ کیا۔ تمام محققین کی رائے یہی ملی کہ ابوالفرج ایک طرف تو کتابوں سے استفادہ کرتا تھا اور دوسری طرف زبانی روایات جمع کرتا تھا کیونکہ کبھی تو وہ کہتا ہے "میں نے فلاں کی کتاب سے نقل کیا" یا "میں نے فلاں کی کتاب میں پایا" اور کبھی وضاحت سے کتابوں کے نام لیتا ہے مثلاً "ابو عبیدہ کی کتاب کتاب النقائض" ، "المدائنی کی کتاب الجوابات" ... وغیرہ۔ تاہم وہ اکثر روایات اسنادوں کے ساتھ بیان کرتا ہے مثلاً "مجھے فلاں نے فلاں سے سن کر خبر دی" یا "مجھ سے فلاں نے بیان کیا" یا "مجھ سے بیان کیا گیا" یا "فلاں

نے کہا" یا "فلاں نے ذکر کیا" جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مولف نے زبانی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ اگر اس تصور کو درست فرض کر لیا جائے تو ہمیں خود سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ ان زبانی روایات کی تاریخی قدر و قیمت کیا ہے۔ کیا اس بات کا امکان نہیں کہ ان کا ایک بڑا حصہ تحریف شدہ ہو یا اس میں ملاوٹ ہو چکی ہو؟

اس قسم کے تصور کا ایک نقشہ میں یہاں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میں آپ کو اس موضوع پر ایک عرب ادیب کی تحریر پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں جو ۱۹۶۵ء کی ہے۔

"چنانچہ کتاب الاغانی میں شامل حالات روایات اور قصے بیشتر زبانی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ زبانی روایات جب ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہوتی ہیں تو ان میں کچھ کمی بیشی ناگزیر ہوتی ہے اور منتقل ہوتے ہوئے ان کا ایک خاص اسلوب بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ کتاب الاغانی کے مولف نے یہ ساری کی ساری کتاب نہ تو یکبارگی جمع کر ڈالی تھی نہ یک قلم نقل کر ڈالی تھی۔ ہوتا یہ تھا کہ حالات روایات اور قصے اس کے سننے میں آتے رہتے تھے بعد ازاں وہ خلوت میں بیٹھ کر جو کچھ سنا ہوتا تھا اسے ایک خاص اسلوب میں تحریر کر دیتا تھا"۔

جس ادیب کی اس سلسلے میں یہ رائے تھی اس نے اپنے مقالے کا عنوان رکھا تھا "لوگوں نے الاغانی کے مولف کے ساتھ انصاف نہیں کیا"۔

ابوالفرج الاصفہانی کا طریقہ قدیم محدثین اور مورخین کا طریقہ ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جسے اس کے معاصر، کتاب الموشح کے مولف المرزبانی نے برتا اور --- مثال کے طور پر --- "عیون الاخبار" میں ابن قتیبہ، اور "العقد الفرید" میں ابن عبدربہ کے طریقے کے خلاف ہے کیونکہ یہ دونوں روایات کا اسناد لانے کا التزام نہیں کرتے تھے۔

کتاب الاغانی واحد کتاب نہ تھی جس نے میری سوچ میں اضطراب پیدا کیا کیونکہ اس کی اسانید اس کی طویل روایات میں بار بار آتی ہیں۔ مجھے یہی مسئلہ ابوعبیدہ معمر بن المثنی کی "مجاز القرآن" پر تحقیق کے دوران پیش آیا۔ میں نے امام بخاری کو دیکھا کہ وہ اپنی الجامع الصحیح میں مجاز القرآن سے روایات نقل کرتے ہیں سو اس کے بعد میری توجہ حدیث تاریخ فقہ اور ادب کی ان

کتابوں کے مآخذ کے مسئلے پر مرکوز ہو گئی جن میں اسناد لانے کا طریقہ برتا گیا ہے۔ چنانچہ میں نے ۱۹۵۱ء میں بخاری کی الجامع الصحیح کے ماخذ پر تحقیق سے آغاز کیا اور آغاز کار اسی ابتدائی نقطہ نظر سے ہوا جو ہمارے دور میں عام ہے یعنی یہ تصور کہ کتابوں میں اسانید کے ساتھ جن حالات و واقعات کا ذکر لایا گیا ہے وہ زبانی روایات سے عبارت ہیں۔ مجھے توقع تھی کہ مجھے کچھ اشارات تحریری مآخذ کے بارے میں مل جائیں گے۔ اس بند گلی میں بہت وقت ضائع ہوا۔ پھر اللہ نے اصطلاحات حدیث کی کتابوں کی جانب میری رہنمائی فرمائی۔ ان کتابوں میں محدثین نے دوسری صدی ہجری کے اواسط سے روایت اخبار یعنی روایت و نقل کے طریقوں نیز اخذ علم کے طریقوں سے متعلق اپنے اسول اور اپنا منہج بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس موضوع پر اپنا مقالہ میں نے ۱۹۵۶ء میں استانبول سے "بخاری کی الجامع الصحیح کے ماخذ پر تحقیقات" کے عنوان سے شائع کر دیا تھا اور اس کی تلخیص میں نے اپنی کتاب "تاریخ التراث العربی" کی پہلی جلد کے اس حصے میں فراہم کر دی ہے جو علم حدیث کے لئے مخصوص ہے۔ کتاب کے اس حصے کا عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

یہاں میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہوں گا جس قدر ابوالفرج الاصفہانی کے مآخذ سے متعلق میرے خطبے کے موضوع کا تقاضا ہو گا۔

اخذ علم سات اقسام سے عبارت ہے:

سماع، قراءت، اجازت، مناولہ، کتاب یا مکاتبت، وصیت اور وجادہ۔ ان طریقوں میں بنیادی معیار تو یہ ہے کہ شاگرد نص روایت کو استاد سے سنے یا اسے خود پڑھ کر سنائے۔ اور اگر نص کو سننا یا پڑھ کر سنانا ممکن نہ ہو تو استاد سے روایت نص کی اجازت لے خواہ استاد خود اس نص کا مولف ہو یا اپنے استاد سے سن کر یا اس کے سامنے پڑھ کر اس کا راوی ہو۔ اس طرح حق روایت کا تصور پیدا ہوا اور اخذ علم کی اقسام میں سے ہر قسم کے لئے اسالیب روایت کی بنیاد پڑی۔ اور انہی اقسام کی مناسبت سے نقل کرنے والا راوی "سمعت عن" میں نے فلاں سے سنا، یا "حدثنی فلاں" مجھ سے فلاں نے بیان کیا، یا "اخبرنی" اس نے مجھے خبر دی، کے الفاظ استعمال کرتا ہے یا، اگر وہ نص کے سنتے، یا پڑھ کر سناتے وقت دوسروں کے ساتھ شریک رہا ہوتا ہے تو جمع کے صیغے میں "حدثنا" اس نے ہم سے بیان کیا یا "اخبرنا" اس نے ہمیں خبر دی، کہتا ہے۔ پھر کتابوں

کی کثرت اور مختلف علاقوں میں ان کے پھیلاؤ نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ سماع و قراءت کے بغیر ہی کتابوں کی روایت کو جائز قرار دیں بشرطیکہ نقل میں صحت کا اطمینان ہو۔ اس طرح "اجازت" اور "مکاتبت" وغیرہ کی مختلف اقسام وجود میں آئیں اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ انہوں نے ایسی کتاب سے جس کی صحت پر اعتماد ہو بغیر کسی طرح کی "اجازت" کے نقل کو درست قرار دیا۔ اس قسم کو "وجادہ" کا نام دیا گیا اور یہ شرط عائد کی گئی کہ کتابوں سے اس قسم کی نقول کی روایت کے لئے لفظ "وجدت" "میں نے پایا"، "ذکر" "ذکر کیا گیا ہے" "حدثت" "مجھ سے بیان کیا گیا" یا "قال" "اس نے کہا" استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اگر ہم قدماء اور ان کے شارحین کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور ان کے اسالیب بیان کا تتبع کریں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ چیز ان کے ہاں معروف تھی نیز یہ کہ اسانید والی کتابوں کی عبارتیں [محض] زبانی روایات پر منحصر نہیں ہیں، اگرچہ بسا اوقات اپنی غلط فہمی، اسلاف سے زمانی بعد اور ان مسائل سے مخصوص ان کی کتابوں کے مطالعے سے غفلت کے سبب ہمیں معاملہ حقیقت کے برعکس نظر آتا ہے۔

صحیح بنیاد سے دیکھا جائے تو اسلام کی ابتدائی صدیوں کے جو ایسے مصادر ہمارے ہاتھ میں ہیں، جن کی عبارتیں اسانید کے بعد لائی گئی ہیں وہ تحریروں سے ماخوذ ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب الاغانی کی ایک روایت میں آتا ہے۔

"مجھے محمد بن الحسن بن درید نے خبر دی اس نے کہا مجھے عمر بن شبہ نے ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی اور اس نے عوانہ بن الحکم سے روایت کی کہ ..."

سو ہمیں یہ فرض کرنا ہو گا کہ ان مولفین میں سے کسی ایک کی کتاب ابوالفرج الاصفہانی کے پاس تھی اور وہ اسی سے عبارت نقل کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے ابن درید کی کتاب ہو جس سے اس نے روایت اخذ کی یا ممکن ہے عمر بن شبہ یا ابوعبیدہ کی کتاب سے اخذ کی ہو یا عوانہ کی کتاب سے، کہ یہ دونوں عوانہ کی کتاب کے راوی تھے چنانچہ اس بات کا امکان ہے کہ ابوالفرج کے ہاں اس روایت کا ماخذ عمر بن شبہ یا ابو عبیدہ یا عوانہ کسی کی بھی کتاب ہو۔ گویا جو ایک یا ایک سے زیادہ نام ابو الفرج کے ہاں مذکور ہوئے ہیں ان سے وہ ماخذ جس سے روایت منقول ہے نیز ایک یا ایک سے زائد راویوں کا نام مراد ہوتا ہے۔

ہم ایک اور مثال لیتے ہیں جس میں ایک کتاب کا [باقاعدہ] ذکر موجود ہے:

"ہمیں اس کی خبر الیزیدی (محمد بن العباس) نے الخراز (احمد بن الحارث) کی روایت سے دی اور اس نے المدائنی سے روایت کی جو کتاب الجوابات میں ہے ۰۰۰"۔

یہاں بھی ہمارے لئے یہ فیصلہ ممکن نہیں کہ کیا ابوالفرج اپنی روایت "کتاب الجوابات" سے نقل کر رہا تھا جس کی روایت اس نے الیزیدی کے ذریعے الخراز سے حاصل کی ؟ ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ روایت الیزیدی کی کسی کتاب سے نقل کر رہا تھا اور وہ یہ تھی کہ اس نے یہ روایت "کتاب الجوابات " سے اخذ کی جسے الخراز نے روایت کیا ۔ اور یہ امکان بھی ہے کہ ابوالفرج نے اپنی روایت الخراز کی کسی کتاب سے اخذ کی اور اس نے اپنی روایت المدائنی سے لی۔

قدیم دور کے وہ اسلاف جنھوں نے چوتھی صدی ہجری سے پہلے قلم اٹھایا اور جنھوں نے روایت کے ضمن میں اپنے اصول کی باریک تفصیلات پر بہت سے کتابیں مدون کیں، انھوں نے خود اپنے ماخذ کی طرف اشارات فراہم کرنے اور بالواسطہ و بلا واسطہ میں تمیز کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ انھوں نے اپنے فرض میں کوتاہی برتی بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی کتابیں لکھتے ہوئے اپنے ہم عصروں کے علم پر بھروسہ کرتے تھے۔ انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ آئندہ نسلوں کو کیا مشکلات پیش آئیں گی۔ سو حقیقت یہ ہے کہ مولف اپنے ہم عصروں کی ذھنی سطح پر اعتماد کیا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی نسلوں میں اس مشکل کا احساس پیدا ہوا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگ، مثال کے طور پر، جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں اسناد سے روایت فلاں کتاب پر دلالت کرتی ہے، تو وہ قاری کی مدد کرنا چاہتے ہیں ۰۰۰ نیز یہ کہ بعد کے زمانوں میں "المشیخہ" کے سلسلے کی جو بہت سے کتابیں تالیف کی گئیں، اسی غرض سے کی گئیں۔

آج ہمارے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ہم کوئی ایسا طریق کار اختیار کریں جس سے یہ ممکن ہو سکے کہ ہم اسلام کی قرون اولی میں اسناد روایات کے اصول پر لکھی گئی کتابوں کے بالواسطہ و بلاواسطہ ماخذ کو ثابت کر سکیں۔ وہ طریق کار جس تک ۱۹۵۴ء سے پہلے میری رسائی ہوئی، اپنی کتاب "تاریخ التراث العربی" کی تالیف کے دوران آج تک میں نے اس کو اختیار کیا ہے اور روز

بروز اس کی صحت پر میرا یقین بڑھتا چلا گیا ہے اس طریق کار کا خلاصہ یہ ہے:

جس کتاب کے براہ راست مآخذ کا سراغ لگانا ہو ہم اس کے تمام اسانید الگ الگ ٹکڑوں کی شکل میں یکجا کر لیں اور ان ٹکڑوں کو سب سے قریب العہد راویوں کے ناموں کے اعتبار سے مرتب کر لیں۔ پھر اولین مشترک نام سے آغاز کریں اور پھر دیکھیں کہ اسناد میں مشترک کڑیاں کہاں تک چلتی ہیں اور کہاں سے الگ الگ ہوتی ہیں۔ ان مشترک ناموں میں سے آخری نام اس ماخذ کے مولف کا ہو گا جس سے اس کتاب میں روایت نقل کی گئی ہے، جس کے مآخذ کا ہم سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اگر راویوں کے نام اولین نام کے علاوہ اشتراک ہی نہ رکھتے ہوں اور اس کے بعد ہی الگ الگ ہو جاتے ہوں تو پھر یہ اولین شخص ہی براہ راست ماخذ کا مولف ہے اور اس کی معلومات مختلف ماخذ سے ماخوذ ہیں اور اگر، مثال کے طور پر، نام دوسری یا تیسری کڑی تک مشترک ہوں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ابتدائی مشترک نام کتاب کے راویوں کے نام ہیں اور آخری مشترک نام جس کے بعد الگ الگ نام شروع ہو جاتے ہیں وہ ماخذ کے مولف کا نام ہے۔

اس طریق کار کو میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، نیز طبری کی تفسیر اور تاریخ پر آزما چکا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ بخاری نے اپنا مواد اپنے سے پہلے کی نسل کی تقریباً دو سو کتابوں سے حاصل کیا ہے جو سب کی سب ترتیب مواد میں خاصے ترقی یافتہ طریقے کی آئینہ دار تھیں۔ جبکہ مسلم اور طبری نے اپنا بیشتر مواد قدیم تر ماخذ سے لیا۔ آج کے اسلوب میں بات کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بخاری نے تازہ ترین تحقیقات پر انحصار کیا۔

پھر، مثال کے طور پر، اگر کسی کتاب کے مآخذ کے سراغ میں ہم نے اس کے مآخذ کے مواد کو طے کر لیا اور اس طریقے کے مطابق جو مواد کسی ایک گم شدہ مآخذ کا مواد قرار پا سکتا ہے اسے ایک الگ چھوٹی یا بڑی کتاب کی صورت میں یکجا کر لیا تو اب اس کتاب کے مآخذ کا سراغ بھی ہم اسی طریق کار سے لگا سکتے ہیں۔

اس ضروری تمہید کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی کتاب الاغانی کے مآخذ کا مسئلہ۔ اب تک کتاب الاغانی کے مآخذ پر تحقیق کرنے والوں کا نقطہ آغاز ظن و تخمین

پر بنی رہا ہے۔ بعض ناموں کی تکرار نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کی مثلاً عمر بن شبہ' ابوہفان' ابن سلام الجمحی' المدائنی' دعبل الخزاعی' عبداللہ بن ابی سعید الوراق' اور علی بن یحیی المنجم۔ حوالے کی کتابوں میں ان لوگوں کی بعض تصانیف مذکور ہیں۔ مثال کے طور پر طبقات الشعراء یا اخبار الشعراء چنانچہ انہوں نے خیال کیا کہ ابوالفرج الاصفہانی نے ان کتابوں کو بطور ماخذ استعمال کیا۔ اس ضمن میں اہم ترین محققین فرانس کے بلاشیر (۱) ' امریکہ کے زولوندیک (۲) اور مشرقی جرمنی کے فلاشمر (۳) ہیں۔ اس جرمن محقق نے اس موضوع پر ایک مستقل تحقیق قلمبند کی ہے۔ کاش اس نے محدثین کے طریقوں اور ان کی قدر و قیمت کو بھی سمجھا ہوتا۔ اس نے محض گولڈ زیہر کی معلومات پر اکتفاء کیا ہے۔

جہاں تک میری خاص تحقیق کے نتائج کا تعلق ہے جن کو میں یہاں آپ کے سامنے پیش کروں گا' ہو سکتا ہے وہ ایک نئی چیز ہوں۔ بہر حال' میرے لئے وہ یکسر نئی ہیں۔ جب تک میں نے اسانید سے فہرست کتب تک پہنچنے کے لئے اس طریق کار کو کتاب الاغانی پر منطبق نہ کیا تھا' میں بھی اپنی کتاب "تاریخ التراث العربی و الاسلامی" کی پہلی جلد کی تالیف کے دوران تخمین پر ہی اعتماد کرتا رہا۔ تخمین سے میری مراد ابوالفرج الاصفہانی کے براہ راست ماٰخذ کے مولفین کا اندازہ لگانا ہے۔ "مجھے محمد بن الحسن ابن درید نے خبر دی' اس نے کہا مجھے عمر بن شبہ نے خبر دی" یا "مجھے فلاں نے خبر دی اس نے کہا مجھے فلاں نے خبر دی "جیسی اسنادوں میں' میرا اندازہ یہ تھا کہ پہلا نام مثلاً "ابن درید" ایک اعتبار سے راوی اور ایک اور اعتبار سے ایک یا ایک سے زیادہ ماٰخذ کا مولف ہے۔

ابوالفرج' ابن درید کی روایت تقریباً ۱۷۰ مرتبہ لایا ہے اور دوسری کڑی میں راویوں کے ناموں کا اعادہ یوں ہوا ہے:

ابو حاتم سجستانی۔ ابوعبیدہ	۸۰ بار
اسی سے ابن الکلبی	۳۰ بار
اصمعی کا بھتیجا۔۔ اصمعی	۲۰ بار
الریاشی ...	

ابن درید کے نام کے بعد پندرہ کے قریب نام آتے ہیں۔

میرا خیال تھا کہ ابو الفرج، ابو عبیدہ کی کتاب، نیز ابن درید کی روایت میں ابن الکلبی اور الاصمعی کی کسی کتاب اور خود ابن درید کی کسی کتاب سے نقل کرتا ہے۔ لیکن آج میری رائے یہ ہے کہ ان اسنادوں کے ضمن میں ابوالفرج ابن درید ہی کی ایک معین کتاب سے نقل کر رہا تھا۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی جس کے کچھ حصے ہم تک پہنچے ہیں اور وہ کتاب الامالی ہے۔ اس سلسلے میں تبدیلی رائے کا باعث سال رواں کے دوران اس موضوع پر میرے مرکوز تحقیقی مطالعے کا نچوڑ تھا۔ وقت کی کمی کے باعث بارہا میں اس ضروری مطالعے کو التوا میں ڈال چکا تھا تاآنکہ اپنی کتاب کے نویں حصے کی تالیف کے وقت۔ جو ادب کے لئے مخصوص ہے۔ میں اس مطالعے پر مجبور ہو گیا نتیجہ جو سامنے آیا وہ حسب ذیل ہے:

(ا) ان راویوں کی تعداد جن سے ابوالفرج الاصفہانی براہ راست روایت کرتا ہے ۱۵۰ تک پہنچتی ہے۔ اسنادوں میں مشترک کڑیوں نیز ان مقامات کا تتبع کرنے کے بعد جہاں سے راوی جدا جدا ہو جاتے ہیں، مجھے اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ جن راویوں سے ابوالفرج "اخبرنی" یا "حدثنی" کہہ کر روایت کرتا ہے، دو آدمیوں کے علاوہ وہ سب لوگ ان کتابوں کے مولف ہیں جن سے ابوالفرج نے روایات نقل کی ہیں۔ ان دو میں سے ایک استثنا تو احمد بن سلیمان طوسی المتوفی ۳۲۲ھ کا ہے جس سے ابوالفرج سے ۸۵ بار ان الفاظ میں روایت کی ہے "طوسی نے ہمیں خبردی، اس نے کہا کہ الزبیر بن بکار نے ہم سے بیان کیا..." یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس اسناد میں وہ طوسی کی روایت میں الزبیر بن بکار کی کتاب جمھرۃ النسب سے نقل کرتا ہے۔ دوسرا آدمی ابراہیم بن محمد بن ایوب ہے جس سے ابوالفرج نے تقریباً ۵۰ مرتبہ روایت کی ہے اور وہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ سے روایت کرتا ہے یعنی اس کی کتاب الشعر و الشعراء سے۔

باقی راویوں میں سے ۱۴۸ ایسے ملتے ہیں جن کی تالیفات مشہور ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کی تالیفات معروف نہیں ہیں مثلاً الحسن بن علی الخفاف جس سے ابوالفرج نے ۸۰۰ سے زائد بار روایت کی ہے۔ الخفاف سے ابوالفرج کی روایات کی مشترک کڑیوں نیز ان مقامات کا تتبع کیا جائے جہاں سے راوی الگ الگ ہو جاتے ہیں تو صورت حال یوں سامنے آتی ہے:

الخفاف نے روایت کی

ابن مہرویہ سے	۳۵۰ بار
ابن ابی الخیثمہ سے	۷۵ بار
الخراز سے اور اس نے المدائنی سے	۷۰ بار
ابن ابی سعد سے	۵۰ بار ... وغیرہ وغیرہ

تقریباً پچاس راویوں سے اس نے صرف ایک بار روایت کی ہے یہاں یہ نشاندہی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض مقامات پر الخفاف نے راوی کا ذکر کئے بغیر ہی روایت بیان کر دی ہے۔

ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ الخفاف ابوالفرج کے براہ راست ماخذ کا مولف تھا۔ ایک آدھ مثال پر انحصار کرتے ہوئے تو ہمارے لئے یہ فرض کر لینا غالباً دشوار ہوتا لیکن جملہ روایات میں ابوالفرج کے موقف کو جانچنے کے بعد نیز نتیجے کا بعض اور طریقوں سے، جن کی تفصیل میں میں یہاں نہیں جانا چاہتا، امتحان کر لینے کے بعد، مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ابوالفرج الاصفہانی نے اپنی کتاب کی تالیف میں سب سے پہلے، اغانی، طبقات الشعراء، معانی اخبار اور نوادر کی ان کتابوں پر انحصار کیا ہے جو براہ راست اس کے اساتذہ کی تالیف کردہ تھیں۔ ان کتابوں میں ان اسلاف کی تحریریں بھی شامل تھیں جنہوں نے اپنی کتابوں سے ابوالفرج کے اساتذہ کے لئے راہ ہموار کی۔ رہا یہ کہ ابو الفرج نے ان ماخذ کے نام کیوں نہیں لئے سو اس کا سبب یہ ہے کہ اسے اپنے ہم عصروں کی معلومات پر اعتماد تھا نیز اسے مستقبل میں اپنی کتاب کی حیثیت کا اندازہ نہ تھا۔

(۲) ابوالفرج اپنے بیشتر براہ راست مصادر سے آگاہی رکھتا تھا اور کثرت سے ان کی طرف سے رجوع کرتا اور ان سے نقل کرتا تھا لیکن اس کے پاس ان کتب کی روایت کا حق نہ تھا۔ اسی سبب سے وہ مجبور تھا کہ ان سے اقتباس بذریعہ اشارات کرے مثلاً میں نے احمد بن ابی طاہر کی کتاب سے نقل کیا" یا " احمد بن ابی طاہر نے ذکر کیا ...، احمد بن ابی طاہر نے کہا ...، احمد بن ابی طاہر نے بیان کیا"

-- یا کہتا ہے " میں نے عبداللہ بن المعتز کی کتاب سے نقل کیا ... "

-- یا "ابن المعتز نے ذکر کیا۰۰۰" ابن المعتز نے بیان کیا، ابن المعتز نے کہا۰۰۰"

-- یا وہ کہتا ہے "اور میں نے ہارون بن الزیات ہی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس کی کتاب سے نقل کیا"

-- یا "میں نے ایک نسخے سے نقل کیا جو ہارون بن الزیات کے خط میں تھا"

-- یا کہتا ہے "اور میں نے ہارون بن محمد کی کتاب سے نقل کیا"

(۳) ان مثالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو کتاب مراد ہے اس نے اس کا نام نہیں لیا کیونکہ اسے قاری کے علم پر بھروسہ تھا۔ خوش قسمتی سے ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ابن المعتز کی جس کتاب کا ابوالفرج نے ذکر کیا ہے اس سے مراد "طبقات الشعراء المحدثین" ہے اور احمد بن ابی طاہر کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ "تاریخ بغداد" ہے۔ رہی تیسری کتاب جو اس کے ہاں مذکور ہے سو شاید وہ اغانی (گیتوں سے متعلق کوئی کتاب تھی۔ یہ بات اس اندازے کی بنا پر کہی جا رہی ہے جو اس کتاب سے منقول مواد کی اساس پر قائم کیا گیا ہے۔

(۴) ابوالفرج کے ہاں لفظ "کتاب" کے بصیغہ نکرہ استعمال سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ کوئی غیر معروف کتاب تھی جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے نیز مزید مثالوں کے تتبع سے اور واضح ہو سکتا ہے۔

(۵) ابوالفرج نے دوسری اور تیسری صدی ہجری کے لوگوں کی اغانی، انساب، اخبار و نوادر اور طبقات الشعراء کی کتابوں کی طرف کثرت سے رجوع کیا لیکن اسناد لائے بغیر۔ اور ایسی صورت میں لفظ "وقال" (اور اس نے کہا)، یا "ذکر" (اس نے ذکر کیا) یا "روی" (اس نے روایت کی) کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔

(٦) ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ ابوالفرج اپنی اسانید میں دو نام لے آتا ہے جو براہ راست اسناد ہوتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا مثال میں ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ دونوں شیخ دو براہ راست ماخذ کے مولف ہیں جن سے ابوالفرج نے اپنی روایت نقل کی۔ ایک سے اس نے روایت اخذ کی اور دوسرے کے ہاں بھی اسے پایا۔

کچھ اور مسائل بھی ہیں جن کے ذکر سے اس وقت گریز کرتا ہوں۔ ان کا ذکر انشاء اللہ

تفصیل سے تاریخ التراث العربی کی دسویں جلد میں کروں گا۔

خاص ادب سے متعلق حصے کی تالیف میں اس طریق کار کی بڑی اہمیت ہے۔ میں نے ابوالفرج کے ۱۳۰ کے قریب شیوخ ایسے دیکھے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بطور ادیب اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر الگ کام کیا جائے۔ ان میں سے نصف ایسے ہیں کہ ماخذ میں ان کی تصنیفات کے نام ملتے ہیں۔ اس موخر الذکر صورت میں میں نے یہ کوشش کی کہ منقول روایات کے مواد کا مطالعہ کروں تاکہ ان کی نوعیت سمجھ میں آسکے۔ یہ بیشتر اغانی' طبقات الشعراء' اخبار اور معانی کی کتابیں معلوم ہوتی ہیں۔

اس عمل سے فراغت پاکر میں نے یہ کوشش کی کہ جدید تر سے قدیم تر کی طرف چلتے ہوئے دوسری تیسری اور چوتھی کڑیوں کے طور پر مذکور مولفین کی کتابوں کا مواد بہم کر سکوں اور یہ کوشش بھی کر سکوں کہ ان کتابوں کے نام طے کروں یا ان کا اور ان کے مواد کا اندازہ لگاؤں نیز متعدد مطبوعہ و غیر مطبوعہ مآخذ میں وارد ہونے والے ان کے اقتباسات کو یکجا کر سکوں۔ اس طریقے سے میں "تاریخ التراث العربی" کی اس جلد میں جو ادب کے لئے مخصوص ہے تقریباً ۳۰۰ مولفین کا اندراج کر سکا ہوں جن کی کتابیں ناپید ہو گئیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے عرب رفقاء میرے طریق کار سے اتفاق کرتے ہوئے اسی بنیاد پر اپنی توجہ بہت سی گمشدہ کتابوں کی طرف مبذول کریں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یونانی ورثے سے متعلق ہماری اکثر حالیہ معلومات ان لخت لخت تحریروں پر مبنی ہیں جنھیں محققین نے یکجا کر دیا ہے۔ سب سے پہلے لازم ہے کہ ہم راویوں کے ناموں کی ٹھیک ٹھیک فہرستیں تیار کریں جن کی فہرستیں ہنوز نہیں بنائی گئیں اور ان کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں کیا گیا بلکہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ فرضی نام ہیں جو غیر حقیقی واقعات کو ٹھوس شواہد کا سہارا دینے کے لئے گھڑ لئے گئے ہیں۔

حوالہ جات

1. *R. BLACHERE, Histoire de la litterature arabe...I-III. Paris 1552, 1964, 1966.*
2. *L. ZOLONDEK, The Sources of the Kitab al-Agani, Arabica 8/1961/294-308.*
3. *M. FLEISCHHAMMER, Quellenuntersuchungen Zum Kitab al-Agani, Halle 1965.*